© rasailojaraid.com

مولانا محمد جعفر پھلواروی

ایک حدیث

غیر متقی امام کی اقتدا

سنن ابوداؤد میں کتاب الصلاۃ کا ۲۰۷واں باب ہے امامۃ البرّ والفاجر۔ اس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک ارشادِ نبوی یوں مروی ہے:

الصلوٰۃ المکتوبۃ واجبۃ خلف کل مسلم برّاً کان او فاجراً وان عمل الکبائر۔

فرض نماز ہر مسلمان کے پیچھے واجب ہے خواہ متقی ہو یا فاجر۔ اگرچہ وہ کبائر کا مرتکب ہوچکا ہو۔

بیہقی نے جناب ابوہریرہؓ ہی سے یہ مضمون ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

صلّوا خلف کل برّ و فاجر، و صلّوا علیٰ کل بر و فاجر، و جاھدوا مع کل برّ و فاجر۔

سیوطی نے یہ حدیث الجامع الصغیر طبع قاہرہ ۱۳۷۳ھ کے حصہ دوم میں بیہقی کے حوالے سے نقل کی ہے اور اسے ضعیف بتایا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:

ہر متقی و فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لو اور ہر متقی و فاجر کی نماز جنازہ پڑھ لو اور ہر متقی و فاجر کے ساتھ مل کر جہاد کرو۔

جہاں تک ابوداؤد کی حدیث کا تعلق ہے اس میں متن یا سند کا کوئی سقم نہیں ظاہر کیا گیا ہے لیکن حدیث کا مفہوم سمجھ لینا بہت ضروری ہے۔ اس ارشادِ نبوی میں جن اقدار کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ یہاں نوافل کا ذکر نہیں کیونکہ نفلیں انفرادی طور پر ادا کی جاتی ہیں اور ان کا گھر پہ ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔

© rasailojaraid.com

۲۔ فرض نمازوں کے متعلق بیان کیا جارہا ہے کہ انہیں باجماعت ادا کرنا چاہیے کیونکہ اسلامی

© rasailojaraid.com

معاشرے کی روح سراسر اجتماعی نظام سے وابستہ ہے۔

۳۔ صلاۃ دراصل پورے سوشل نظام کی عکاسی ہے۔ یا یوں کہیے کہ اسلامی معاشرے میں آمر و مامور کے روابط، اجتماعی تنظیم، نظامِ اطاعت، اخوت و مساوات، غلطی پر ٹوکنا مگر اجتماعیت پر جمے رہنا وغیرہ وغیرہ کے جس قدر بھی اجزائے معاشرہ ہیں ان سب کو ہر آن پیش نظر رکھنے کے لیے نماز ایک چھوٹا سا مشقی نمونہ ہے۔

۴۔ امامت کا اہل وہ ہے جو مجموعی حیثیت سے بڑ یعنی متقی ہو۔ مقتدیوں سے زیادہ پڑھا لکھا، زیادہ واقف کارِ مسائل، زیادہ ثقہ، زیادہ صحیح قرآن پڑھنے والا، زیادہ بااخلاق زیادہ متقی و پرہیزگار، زیادہ صاحبِ ایثار و بلند کردار وغیرہ ہو۔

۵۔ لیکن امام کے لیے ایسا معصوم ہونا ضروری نہیں (بلکہ شاید یہ ممکن بھی نہیں) کہ اس سے کوئی غلطی یا کوئی گناہ نہ ہوا ہو۔ غلطی یا گناہ سے کوئی خالی نہیں۔ ہاں اس کی غلطیوں یا معصیتوں کا علم بعض اوقات کسی کو نہیں ہوتا یا چند کو ہوتا ہے اور بعض اوقات عام طور پر سب کو ہو جاتا ہے۔

۶۔ اگر کسی کی بدکرداری کا علم سب کو ہو جائے تو امام کو خود ہی اپنی مسندِ امامت سے ہٹ جانا چاہیے۔ اگر وہ اعترافِ خطا کر کے تائب نہ ہو یا اپنی غلطی پر مصر ہو تو اسے منصبِ امامت سے ہٹا دینا چاہیے۔

۷۔ لیکن جب تک دوسرے بہتر امام کا انتظام نہ ہو جائے، خواہ بالکل عارضی ہو یا مستقل امام کا انتظام ہو، تب تک کیا جماعت ترک کر دینی چاہیے یا اس وقت تک اسی نااہل امام کو گوارا کیے رہنا چاہیے؟ ہمارے خیال میں یہی ہے وہ سوال جس کا جواب اس زیرِ نظر حدیث میں دیا گیا ہے۔ جس کا مفہوم و مفاد یہ ہے کہ ایک نااہل امام کی اقتدا میں باجماعت نماز کو گوارا کر لینا اس سے کہیں بہتر ہے کہ مسجد میں فرداً فرداً یا مختلف گروہوں میں نماز ادا کی جائے۔ یہ اس لیے کہ اجتماعیت کا معاملہ صرف نماز تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کا اثر زندگی کے دوسرے اجتماعی شعبوں پر بھی پڑے گا اور وہاں بھی اجتماعیت میں انتشار پیدا ہوگا۔ اسلام کی نظر میں انتشار، بے آئینی، بدنظمی کسی صورت گوارا نہیں کسی نااہل کی امامت کو اہل امام ملنے تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گوارا کرلینا گویا اھون البلیتین (LESSER EVIL) کو گوارا کرنے کے مترادف ہے۔ اگر ایک بڑے شر سے بچنے کے لیے کسی چھوٹے شر کو قبول کرلیا جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ چھوٹے شر کو قبول نہ کرکے بڑے شر کو دعوت دی جائے۔ اسی طرح ایک بڑی خیر کے لیے چھوٹی خیر کو قربان کردینا بھی غلط نہیں ہوتا۔

۸۔ اسلام یہ ہرگز نہیں پسند کرتا کہ امام کوئی فاجر ہو۔ وہ امام برّ و متقی ہی کو پسند کرتا ہے۔ لیکن اس کی برّیت و پرہیزگاری کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ مقتدیوں سے پرہیزگاری میں بلند تر ہو۔ یہ ضروری نہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ بے عیب ہو، بے خطا ہو یا معصوم ہو۔ مقتدیوں سے رذائل میں کم تر ہونا امام کے لیے کافی ہے یعنی مجموعی حیثیت سے اگر کوئی شخص امامت کے فرائض زیادہ بہتر طریق پر انجام دے سکتا ہو تو وہ امام ہو سکتا ہے لیکن یہ کوشش جاری رکھنی چاہیے کہ وہی امام بہتر سے بہتر ہو جائے یا کوئی اور بہتر سے بہتر امام حاصل ہو جائے۔ اور جب تک یہ نہیں ہوتا اسے گوارا کیے رہنا چاہیے اور اصلاح کی کوشش جاری رہنی چاہیے۔ تاکہ جماعت اور اس کے نظم و ضبط میں انتشار نہ پیدا ہو ورنہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے الگ ہونے کے بعد ایسا امام بھی میسر نہ آسکے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام کو مجموعی طور پر ایسا ہونا چاہیے کہ مقتدیوں کی غالب اکثریت اس سے مطمئن رہے۔ اس میں اتنی معقولیت ہونی چاہیے کہ غالب اکثریت اس کے خلاف نہ ہو، یا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ سیدنا امیر المومنین عمرؓ ایسے اماموں کو جن سے مقتدیوں کو شکایت پیدا ہو امامت سے ہٹا دیا کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے انتشار پیدا کرنے میں اماموں کی بھی غلطی ہوتی ہے اور مقتدیوں کی بھی، اور اسلام نے دونوں کے لیے ہدایات دی ہیں۔

۹۔ یہاں مقتدیوں کو رواداری قائم رکھنے کی ہدایت دی گئی ہے کہ تمہارا امام اگر فاجر ہو اور کبائر کا بھی مرتکب ہو چکا ہو تو تم تبدیلی کی کوشش کے باوجود جماعتی نظم کو قائم رکھو ورنہ زندگی کے دوسرے اجتماعی شعبوں پر بھی اس کا اثر پڑے گا اور وہاں بھی انتشار پیدا ہوگا۔

© rasailojaraid.com

۱۰۔ یہاں لفظ ہے۔ وان عمل الکبائر۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اگرچہ وہ کبھی کبائر کا

© rasailojaraid.com

مرتکب بھی ہو چکا ہو۔ اس کا یہ ترجمہ درست نہیں کہ: اگرچہ وہ کبائر کا ارتکاب کرتا رہتا ہو" اس مفہوم کے لیے لفظ یوں ہوتا: وان کان یعمل الکبائر۔

ظاہر یہ کرنا ہے کہ اگر وہ کسی وقت کبائر کا مرتکب ہو چکا ہو اور اب اس نے توبہ کر کے اپنی روش بدل لی ہو تو اس کی گزشتہ باتوں کو بیچ میں نہ لاؤ۔ توبہ کے بعد کوئی گناہ قابلِ گرفت نہیں رہتا، معاف ہو جاتا ہے۔ سب سے بڑا گناہ تو کفر و شرک ہے جب اس سے تائب ہو کر انسان مومن و مسلم بن جاتا ہے تو باقی گناہ تو اس سے کم درجے کے ہیں۔

۱۱۔ اسلام کا اصل اجتماعی نظام یہ ہے کہ پوری قوم کا ایک امیر ہو اور مختلف حلقوں میں اس کے نصب کردہ امرا ہوں۔ امیر صرف ایک مملکت ہی کا سربراہ نہیں ہوتا بلکہ وہ نماز پنجگانہ، جمعے اور عیدین کا بھی امام ہوتا ہے۔ حج کا بھی امیر ہوتا ہے۔ اور یہی بات یہ ہے کہ زیر نظر حدیث میں ایسے ہی امام کے متعلق ہدایات ہیں کہ اگر یہ فاجر بھی ہو اور مرتکب کبائر بھی رہ چکا ہو لیکن امارت کے ملکی فرائض بحسن و خوبی انجام دے رہا ہو تو اس کی اطاعت و اقتدا کیے جاؤ کیونکہ وہ تمھیں ایک بڑے شر سے محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ وہ نہ رہے تو کسی دشمنِ اسلام کا تم پر غلبہ ہونے کا خدشہ ہے۔

اس سلسلے میں اثنا عشری فرقے کی ایک حدیث بڑی قابلِ غور ہے جو چاروں اصول کی کتاب میں موجود ہے۔ ہند سراج ابو جعفر (محمد باقر) سے سوال کرتا ہے کہ: میں شامیوں کو ہتھیار سپلائی کرتا اور ان کے ہاتھ فروخت کرتا رہا ہوں لیکن جب اللہ نے "امامت" کا معاملہ مجھ پر واضح کر دیا تو مجھے بڑی کوفت ہوئی اور میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان دشمنانِ خدا کو ہتھیار سپلائی نہیں کروں گا۔" اس پر انھوں (محمد باقرؒ) نے فرمایا کہ:

احمل الیہم فان اللہ عز وجل یدفع بہم عدونا وعدوکم۔ یعنی الروم۔ فاذا کان الحرب بیننا فمن حمل الی عدونا سلاحا یستعینون بہ علینا فہو مشرک (تہذیب الاحکام للطوسی $\frac{6}{353}$، الکافی للکلینی $\frac{1}{153}$، من لا یحضرہ الفقیہ للقمی $\frac{3}{107}$، الاستبصار فیما اختلف من الاخبار $\frac{3}{55}$)

© rasailojaraid.com

تم ان شامیوں کو ہتھیار سپلائی کرتے رہو کیونکہ اللہ ان کے ذریعے ہمارے تمھارے (بڑے) دشمن یعنی

© rasailojaraid.com

رومیوں کو روکے ہوئے ہے۔ ہاں اگر ہمارے آپس میں جنگ ہو تو اس وقت جو ہمارے دشمن کو ہتھیار سپلائی کرے گا جس سے وہ ہمارے خلاف مدد حاصل کریں تو وہ مشرک ہوگا۔

اس "خبر" کا ابتدائی فقرہ بڑا قابلِ غور ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ اگر یہ خطرہ ہو کہ کوئی ظالم تر یا غیر مسلم مسلط ہو جائے گا تو اس صورت میں اپنے امام کی بہرحال مدد کرتے رہنا ضروری ہے کیونکہ یہ اھون البلیتین ہے یعنی ایک بڑے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے چھوٹے شر کو قبول کرنا کوئی غلط اصول نہیں۔

در اصل دیکھنا یہ ہے کہ ملک اور اہلِ ملک کی حفاظت امام کر رہا ہے یا نہیں؟ اگر وہ اپنا فرض ادا کر رہا ہے تو اس کے فجور کو اجتماعی خیر کے سبب گوارا کر لینے میں حرج نہیں۔ کیونکہ اگر یہ گوارا نہ کیا جائے تو پورے ملک پر دوسرے بدتر اور ظالم تر کے مسلط ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایک غیر متقی اپنا فرض ادا کرنے میں متقی سے بہتر ثابت ہو۔ اگر ہمیں ایک چوکھٹ یا دروازہ بنوانا ہو تو ہم یہ نہیں دیکھتے کہ یہ بڑھئی (ترکھان) متقی پرہیزگار ہے یا نہیں۔ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ اپنے فن کا پورا ماہر ہے یا نہیں۔ اسی طرح ملکی نظام چلانا بھی ایک فن ہے جس کا ہر متقی ماہر نہیں ہوتا۔ اگر غیر متقی یہ کام زیادہ بہتر طریقے سے انجام دے سکتا ہو تو اسے متقی پر ترجیح حاصل ہوگی اور اس کی کئی غیر متقیانہ باتوں کو برداشت کرنا پڑے گا۔ یہی مفہوم ہے اس حدیث کا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہمیشہ غیر متقی کی اقتدا کرتے رہو۔ اگر کوئی متقی اہل مل جائے تو کیا کہنے ہیں۔ تلاش اور کوشش تو متقی ہی کے لیے کرتے رہنا چاہیے لیکن جب تک اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوتی تب تک غیر متقی کی اقتدا صرف اھون البلیتین کے طور پر گوارا کر لینا چاہیے۔

اب ایک عرصۂ دراز سے نماز کی امامت اور سیاسی امامت کے دو الگ الگ شعبے ہو گئے ہیں اس لیے نماز میں فاجر یا مرتکب کبائر کی امامت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ نماز کے امام تو تقریباً ہر جگہ مقتدیوں سے متقی تر ہوتے ہی ہیں البتہ سیاسی امام کی اقتدا اس شعبے کی نظر سے دیکھی جاتی ہے حالاں کہ اسی امامت کو شعبے سے بالاتر ہونا چاہیے۔ جب نماز جیسی عبادت میں بھی غیر متقی امام کی اقتدا کی جا سکتی ہے تو محض سیاسی لیڈرشپ قبول کرنے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیوں ہچکچاہٹ ہوتی ہے ؟ اس وقت دیکھنے کی صرف ایک ہی بات ہوتی ہے یعنی یہ سیاسی نظام کو چلانے کا اہل ہے یا نہیں ؟ ہم یہیں میخ کیوں نکال لیتے ہیں کہ اس نے شرح وقایہ نہیں پڑھی ہے ۔ یہ داڑھی نہیں رکھتا ۔ یہ انگریزی بولتا ہے ۔ یہ چھری کانٹے سے کھاتا ہے ۔ انگریزی لباس پہنتا ہے ۔ نمازِ پنجگانہ کا پابند نہیں ۔ ٹخنے سے نیچے اس کی پتلون لٹکی رہتی ہے وغیرہ وغیرہ ۔

تحریکِ پاکستان کے وقت قائد اعظم کی قیادت کو تسلیم نہ کرنے کے لیے اسی قسم کے دلائل سننے میں آتے رہے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ دلائل ان حضرات کی طرف سے پیش کیے جاتے رہے جو ایک غیر مسلم (ایم ۔ کے گاندھی) کی قیادت کو بخوشی قبول کیے رہے ۔

منشائے حدیث یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کا تم کسی کو لیڈر بناتے ہو اس وقت یہ دیکھ لو کہ یہ اس چیز کی لیڈرشپ کا اہل ہے یا نہیں ۔ غیر متعلق خامیوں کو سامنے رکھتے چلے جاؤ گے تو ایک اہل کی قیادت سے محروم ہو جاؤ گے ۔ سیاسی قائد کا معیاری تقویٰ صرف اسی قدر ہے کہ وہ خود غرض نہ ہو ، ہمدردِ قوم ہو ، دشمن سیاستدانوں سے دھوکا نہ کھا سکے ۔ لیے خریدا نہ جا سکے ۔ سیاسی گتھیوں کو سلجھا سکے نظم و ضبط کو قائم رکھ سکے ۔ اہلِ ملک کی ضروریاتِ زندگی پوری کر سکے اور ملک کی حفاظت کر سکے ۔ غرض وہ اس سیاسی میدان میں قابلِ اعتماد ہو تو اس کی دوسری مذہبی کمزوریوں سے چشم پوشی کرنی چاہیے اور اس کی اصلاح کا ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو مصلح کو اس کا سچا ہمدرد و خیرخواہ ثابت کر سکے نہ کہ مخالف دشمن بنا دے ۔ کسی پر محض اعتراضات و طعن کرتے رہنے سے کوئی خیرخواہ نہیں سمجھا جا سکتا ۔

مسند احمد میں عیاض بن غنم سے ایک ارشادِ نبوی یوں مروی ہے :

من اراد ان ینصح لذی سلطان بامر فلا یبدہ له علانیة ولکن لیأخذ بیدہ ویخلو به فان قبل منه فذلك والا فقد کان قد ادّی الذی علیه ۔

جو کسی معاملے میں کسی حاکم کی خیرخواہی کرنا چاہتا ہے وہ اسے علانیہ رسوا نہ کرے بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے تنہائی میں لے جائے (اور بات سمجھا دے) اگر وہ مان جائے تو فبہا ورنہ سمجھانے والا اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائے گا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں ایک بات کا ذکر کرنا بہت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ احکام اطاعت واقتداء عام لوگوں کے لیے ہے۔ اس سے یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ عوام کو تو اطاعت واقتدا کا پابند کردیا گیا ہے لیکن اولی الامر، حکام اور رعایا کو کھلی چھٹی دے دی گئی ہے کہ وہ جو کچھ چاہیں کرتے پھریں۔ ایسی بات نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اولی الامر کو اس سے بھی زیادہ سخت احکام کا پابند کیا گیا ہے۔ مثلاً:

ما من امتی احد ولی من امر الناس شیئاً لم یحفظ بما یحفظ به نفسه واهله الا لم یجد رائحة الجنة۔ (طبرانی عن ابن عباس)

میرا کوئی امتی کہیں کا امیر بننے کے بعد اگر لوگوں کی اسی طرح نگہداشت نہ کرے جس طرح وہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی کرتا ہے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا۔

اللہ اکبر! اس سے بڑی وعید اور کیا ہوسکتی ہے اور وہ کونسا صاحبِ امر ہے جو اس حدیث پر عمل کرے اور عوام اس پر اپنی جانیں نہ چھڑکیں؟ تالیاں دونوں ہاتھوں سے بجتی ہیں۔ اس لیے آنحضورؐ نے اولی الامر اور رعایا دونوں کو ان کے فرائض یاد دلا دیے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اولی الامر بعض اوقات طاقت کے نشے میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور عوام بے چارے صرف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔ زیرِ نظر حدیث میں دراصل عوام ہی کو سمجھایا گیا ہے کہ تم کوئی ایسا طرزِ اصلاح اختیار نہ کرو جس سے اولی الامر کے دل میں مزید ضد پیدا ہو۔ بلکہ اس کے ساتھ تعاون اور اطاعت کا شریفانہ انداز قائم رکھتے ہوئے نہایت خیر خواہانہ طریقِ اصلاح اختیار کرو۔

© rasailojaraid:com